اردو شاعروں کا انتخابی سلسلہ

جگن ناتھ آزاد

ناشر

انجمن ترقّی اردو (ہند) علی گڑھ

تعارف

جدید اردو شاعری میں اردو کی قدیم روایات کے احساس کے ساتھ فکر و فن کے نئے رنگ و آہنگ کی بھی جلوہ گری ہے۔ اس شاعری میں موجودہ دور کے سوز و گداز اور اس کی بصیرت و مسرت دونوں کا سامان ملتا ہے۔ انجمن ترقی اردو ہند نے ان انتخابات کی اشاعت کا سلسلہ اس وجہ سے شروع کیا ہے کہ وہ لوگ جو کسی مجبوری کی بنا پر کسی شاعر کا سارا کلام نہیں پڑھ سکتے اس شاعر کے رنگ سے متعارف ہو جائیں اور انھیں اس کے تفصیلی مطالعہ کی خواہش پیدا ہو۔

کوشش کی گئی ہے کہ اس سلسلے میں موجودہ دور کے سارے اہم اور قابلِ ذکر شعرا آ جائیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ سلسلہ مقبول ہوگا۔

آل احمد سرور

برادرِ محترم جناب علی محمد طارق
کی نذر

جگن ناتھ آزاد
نئی دہلی ۲۱ جنوری ۱۹۸۸ء

آزاد

انتخابِ کلامِ جگن ناتھ آزاد

انجمنِ ترقّیِ اردو (ہند) علی گڑھ

ترتیب

غزل،

جہاں آزاد! قلبِ ناتواں سے کچھ نہیں ہوتا
وہاں اندیشۂ سُود و زیاں سی کچھ نہیں ہوتا

یہاں اکثر خموشی رازِ پنہاں کھول دیتی ہے
حضورِ دوست طولِ داستاں سی کچھ نہیں ہوتا

ذرا سا بھی یقیں دنیائے فانی میں بڑی شے ہے
گماں کتنا ہی بڑھ جائے، گماں سی کچھ نہیں ہوتا

سخن کے باغ کی تو خونِ دل سے آبیاری کر
جو یہ کر لے تو پھر بادِ خزاں سے کچھ نہیں ہوتا

غزل سوزِ دروں کی آنچ سے لفظوں میں ڈھلتی ہے
فقط رنگینیٔ حسنِ بیاں سے کچھ نہیں ہوتا

یہاں اے زندگی خونِ جگر کچھ رنگ لاتا ہے
محبّت میں فقط آہ و فغاں سے کچھ نہیں ہوتا

اگر ہو آستاں سے ربطِ دل تب بات بنتی ہے
فقط ربطِ جبین و آستاں سے کچھ نہیں ہوتا

○

کہاں ہو کارواں والو کہاں ہو
تلاشِ کارواں ہے اور میں ہوں

ذرا آواز دے اے دورِ ماضی
ترا دردِ نہاں ہے اور میں ہوں

نظر پھر دشمنوں کو ڈھونڈتی ہے
جفائے دوستاں ہے اور میں ہوں

نہ پوچھو جب بہار آئی تو دیوانوں پہ کیا گزری

زرا دیکھو کہ اس موسم میں فرزانوں پہ کیا گزری

بہار آتے ہی ٹکرانے لگے کیوں ساغر و مینا

بتا اے پیرِ میخانہ یہ میخانوں پہ کیا گزری

فضا میں ہر طرف کیوں دھجیاں آوارہ ہیں اُن کی

جنونِ سرفروشی تیرے افسانوں پہ کیا گزری

وصالِ شمع کی حسرت میں سب بیتاب پھرتے تھے

میں کیا جانوں حضورِ شمع پروانوں پہ کیا گزری

کہو دیر و حرم والو! یہ تم نے کیا فسوں پھونکا
خدا کے گھر پہ کیا بیتی، صنم خانوں پہ کیا گزری

نشانِ برگِ گُل تک بھی نظر آتا نہیں ہم کو
سمجھ میں کچھ نہیں آتا گُلستانوں پہ کیا گزری

جہاں نُورِ سحر کے بھی قدم جمنے نہ پاتے تھے
بتائے کون آخر اُن شبستانوں پہ کیا گزری

وہ رنگ و نوُر سے بھرپور بستانوں پہ کیا بیتی
شباب و شعر سے معمُور کاشانوں پہ کیا گزری

ابھی تو چشمِ عبرت وقت کی رفتار دیکھے گی
ابھی یہ کس طرح کہہ دیں ستم رانوں پہ کیا گزری

نہ پوچھ آزاد اپنوں اور بیگانوں کا افسانہ
ہوا تھا کیا یہ اپنوں کو، یہ بیگانوں پہ کیا گزری

غمِ دوراں غمِ جاناں کا بدل ہے کہ نہیں

اس میں بھی تاب و تبِ سوزِ ازل ہے کہ نہیں

محفلِ شعر میں کل تک جو رہی ہے ممنوع

آج اُس تلخ کلامی کا محل ہے کہ نہیں

جو حدودِ غمِ جاناں سے پرے جا نہ سکے

آج اُس ذہن میں اے دوست خلل ہے کہ نہیں

علمِ افکار زمانے میں بڑا علم سہی

علم ہر دور میں محتاجِ عمل ہے کہ نہیں

جس نے اس دَور میں مجبور کا خوں گرمایا
وہ ہُنر مسئلۂ دہر کا حل ہے کہ نہیں

اُڑ سکے عرش پہ جو، خاک پہ جو چل نہ سکے
آج اُس فکر میں تقصیر و کَسَل ہے کہ نہیں

موت اور اُس کے عواقِب سے ڈرانے والے!
موت کی طرح غمِ زیست اٹل ہے کہ نہیں

جس کو تو زہر سمجھتا ہے ادب کے حق میں
وہ مرے شعر میں تریاق و عَسَل ہے کہ نہیں

اے غزل کو غمِ محبوب سمجھنے والے!
یہ جواب میں نے سُنائی ہے غزل ہے کہ نہیں

مری نگاہ کو سجدے کا حوصلہ ہی نہ تھا
اگرچہ میں بھی ترے آستاں سے گزرا ہوں
کہیں مذاقِ نظر کو قرار مل نہ سکا
کبھی چمن سے کبھی کہکشاں سے گزرا ہوں
ترے قریب سے گزرا ہوں اس طرح کہ مجھے
خبر بھی ہو نہ سکی میں کہاں سے گزرا ہوں
دیارِ دوست سے گزرا تو ہوں مگر آزاد
عجیب بے خبری میں وہاں سے گزرا ہوں

بہ رنگِ نغمۂ دلکش زباں کچھ اور کہتی ہے
باندازِ سکوت اپنی فغاں کچھ اور کہتی ہے
مرے دل سے بہارِ گلستاں کچھ اور کہتی ہے
مگر آزاد! یادِ آشیاں کچھ اور کہتی ہے
تمہاری برق رفتاری بجا اے قافلے والو!
مگر رفتارِ میرِ کارواں کچھ اور کہتی ہے
فغاں کہتی ہے میں ہر دردِ پنہاں کا مداوا ہوں
ولیکن کاوشِ ضبطِ فغاں کچھ اور کہتی ہے

بتایا جا رہا ہے قافلہ منزل پہ آ پہنچا
مگر اس قافلے کی داستاں کچھ اور کہتی ہے

غضب ہے نغمہ ہائے ساربان کچھ اور کہتے ہیں
مگر بانگِ درائے کارواں کچھ اور کہتی ہے

ادب میں اک جمود آیا ہوا ہے لوگ کہتے ہیں
مگر آزاد کی طرزِ بیاں کچھ اور کہتی ہے

○

کچھ اس طرح سے گلستاں میں آئی فصلِ بہار
نسیم شعلہ بنی اور شاخِ گُل تلوار

دل و نظر کو بہم مل سکا کبھی نہ قرار
سکوں ملا جو نظر کو تو دل تڑپ اُٹھا

ابھی فضائے گلستاں میں اُڑ رہا ہے غبار
خزاں کو صحنِ چمن سے گئے زمانہ ہوا

مقامِ وعظ کہاں اور مقامِ راز کہاں
مقامِ وعظ ہے منبر مقامِ راز ہے دار

کبھی بلندیٔ ذوقِ نظر تک آ پہنچی
کبھی حیاتِ غمِ بال و پر تک آ پہنچی

فغاں کہ مل کے بھی ہم تم اسے روک سکے
شبِ وصال حدودِ سحر تک آ پہنچی

نظر سے بڑھ کے زباں تک کہیں نہ آ جائے
جہانِ دل کی کہانی نظر تک آ پہنچی

ابھی تو دل میں ہے خوابیدہ حسرتِ پرواز
یہی ہوس جو کبھی بال و پر تک آ پہنچی

نظر کی بات تو کچھ اور ہے مگر کیونکر
تری شبیہہ دلِ بے خبر تک آ پہنچی

بھٹک رہی ہے ابھی تک تو آرزو دل کی
اگر کبھی یہ تری رہگذر تک آ پہنچی

جو دل کا راز بے آہ و فغاں کہنا ہی پڑتا ہے
تو پھر اپنے قفس کو آشیاں کہنا ہی پڑتا ہے
تجھے اے طائرِ شاخِ نشیمن کیا خبر اس کی
کبھی صیّاد کو بھی باغباں کہنا ہی پڑتا ہے

یہ دنیا ہے یہاں ہر کام چلتا ہے سلیقے سے
یہاں پتّھر کو بھی لعلِ گراں کہنا ہی پڑتا ہے
بہ فیضِ مصلحت ایسا بھی ہوتا ہے زمانے میں
کہ رہزن کو امیرِ کارواں کہنا ہی پڑتا ہے

مروّت کی قسم تیری خوشی کے واسطے اکثر
سرابِ دشت کو آبِ رواں کہنا ہی پڑتا ہے

بھرے بازار میں جب کوئی بھی گاہک نہیں ملتا
تو پھر ہیرے کو جنسِ رائگاں کہنا ہی پڑتا ہے

زبانوں پر دلوں کی بات جب ہم لا نہیں سکتے
جفا کو پھر وفا کی داستاں کہنا ہی پڑتا ہے

نہ پوچھو کیا گزرتی ہے دلِ خوددار پر اکثر
کسی بے مہر کو جب مہرباں کہنا ہی پڑتا ہے

○

تو رہ نہ سکی پھول میں اے پھول کی خوشبو
کانٹوں میں رہے اور پریشاں نہ رہے ہم

رباعیات

افسانۂ آں شبے

اک رات کی بات کہہ رہا ہوں آزاد
شعلوں کی ندی میں بہہ رہا ہوں آزاد
جس کو کبھی ضبطِ نطق میں لا نہ سکوں
دل پر وہ عذاب سہہ رہا ہوں آزاد

پہلا رُخ

وہ رات کہ جب خُلدِ بریں تھا پہلو
جب موجِ ہوا تھی موجِ مے وقت سبُو
وہ رات تصوّر میں بسی ہے ایسے
جس طرح شراب میں نشہ، پھول میں بُو

چہرے پہ وہ سیلابِ تبسّم ہے ہے
سینے میں وہ اک جوشِ تلاطم ہے ہے
کانوں میں مرے گونج رہا ہے اب تک
وہ رات کا خاموش ترنّم ہے ہے

○

انسان کے حالات ہیں کس کے بس میں
اُڑتے ہوئے لمحات ہیں کس کے بس میں
اک رات ملی تھی اتفاقاً ورنہ
دنیا ترے دن رات ہیں کس کے بس میں

گردوں پہ گھٹا تُلی تھی گھنگھور اے دوست!
رہوار ہواؤں کے تھے منھ زور اے دوست!
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں میں کہیں
ہم تم تھے پسینے میں شرابور اے دوست!

○

کل شب کہ فضا تھی مست بے جام وسبو
تھا ہوش کی قید میں نہ میں اور نہ تو
اُڑ اُڑ کے حریم رُوح تک جاتی تھی
وہ تیرے بدن کی بھینی بھینی خوشبو

وہ کاکلِ دل نواز مہکی مہکی
ہر بات کلی کی طرح لہکی لہکی
ہنگامِ سحر بھی دل میں ہے رقص کُناں
اے دوست! تری نظر وہ بہکی بہکی

دوسرا رُخ

ہاں محوِ سفر زمیں ہے جاگو جاگو
پھر وقتِ سحر قریں ہے جاگو جاگو
آنکھوں کو ملو، نظر اُٹھاؤ کہ یہ رات
سونے کے لئے نہیں ہے جاگو جاگو

امکان مُلاقات کے پھر کم ہوں گے
سِمٹے ہوئے لمحات یہ برہم ہوں گے
جب صبح اُفق پہ جلوہ فرما ہو گی
کیا علم کہاں تم اور کہاں ہم ہوں گے

○

اِس سے پہلے کہ صبح پھُوٹے اے دوست!
بجلی کی طرح وہ ہم پہ ٹوٹے اے دوست!
اُڑتے ہوئے لمحات کو یُوں اپنا لیں
اک لمحہ بھی ہاتھوں سے نہ چھوٹے اے دوست!

بزمِ طرب و نشاط برہم نہ کرو
یہ محفلِ انبساط برہم نہ کرو
اے صبح کی زر نگار کرنو! رُک جاؤ
خود جم کے، مری بساط برہم نہ کرو

○

ساعت ہے فراق کی پھر آنے والی
ہے کوئی گھڑی میں رات جانے والی
لمحے یہ گراں بہا ہیں اے دوست! کہ پھر
ہے صبح اُفق پہ جگمگانے والی

اب رات کے رہ گئے ہیں لمحات قلیل
ہونے کو ہے یہ سماں سحر میں تبدیل
جی بھر کے انھیں دیکھ کہ بجھ جائے گی
اِس بزمِ نشاط خیز کی ہر قندیل

○

ذوقِ نظر اِک مقام پر رہ نہ سکے
جلوؤں کا یہ طوفان کہ دل سہہ نہ سکے
اور نطق اگر بیان کرنا چاہے
اِس وقت کی کیفیت کبھی کہہ نہ سکے

یہ خنکیٔ ماہتاب میں دل کی جلن
سینے کی یہ خامشیٔ شب میں دھڑکن
یہ نیند کے وقت گفتگو سانسوں میں
میلے سے یہ اک مکاں میں خوشبوئے بدن

○

فردوس کا باب ہے یہ رات اے ساتھی
اُڑتا ہوا خواب ہے یہ رات اے ساتھی!
اس رات کو لمحات کا پیکر نہ سمجھ
پی لے کہ شراب ہے یہ رات اے ساتھی!

فریاد کہ رات ہاتھ میں آ کے گئی
اک لُطفِ عظیم ہم پہ فرما کے گئی
ماحول کی تیرگی میں فیّاضانہ
فریاد کہ رات نورؔ برسا کے گئی

○

اے مہر! کبھی ترا اشارا نہ ملے
اے نور! کبھی ترا سہارا نہ ملے
میں رات کے طوفاں میں بھٹکتا ہی رہوں
اے صبح! کبھی ترا کنارا نہ ملے

تیسرا رُخ

آخر سحر آکے دل کو تڑپا ہی گئی
یہ تیرگی آکے نُور پر چھا ہی گئی
خُونریز جو دل میں تھیں اُمنگیں آزاد
کالا کفن اُن کو آکے پہنا ہی گئی

○

رات اپنا جمال کھو رہی ہے سو جاؤ
چہرہ شبنم سے دھو رہی ہے سو جاؤ
ٹوٹے ہوئے جسم پر ذرا رحم کرو
اب صبح طلوع ہو رہی ہے سو جاؤ

آخری رُخ

جو نیند میں ہو ، نیند میں رہ جاتا ہے
بیدار سے رازِ زیست کہہ جاتا ہے
اک نُور کا دریا کہ سحر سے پہلے
ظلمات کی وادیوں میں بہہ جاتا ہے

○

اک رات اگر کرم پہ مائل ہو جائے
انسان کے ہر نَفَس میں شامل ہو جائے
یہ رات ، یہ شام سے سحر تک کا سماں
پھیلے جو تو زندگی کا حاصل ہو جائے

پھولوں کی طرح نفس مہک جاتے ہیں
شاخوں کی طرح بدن لچک جاتے ہیں
مل جاتے ہیں بھٹکے ہوئے دو دل جو کہیں
وہ رات کی ظلمت میں چمک جاتے ہیں

نمودِ فن

طویل نظم " اجنتا کے غاروں میں " کا ایک جُزو

شاعر

اے بُتِ سنگیں دل و سنگیں رُخ و سنگیں بدن
جس کا تُو اک پھول ہے آخر کہاں ہے وہ چمن
کون سی دنیا کا آدم ہے تو مُیں کس دریا کی موج
کس سمندر کا صدف ہے کس تخیّل کا ہے اوج

وقت کے پتھر پہ تیرا نقش ہے نقشِ دوام
السلام اے ہند کے اوجِ تخیّل السلام

یہ بتا آنے سے پہلے عالمِ اسرار میں
تو دلِ کہسار میں تھا یا دلِ فن کار میں

بُت کا جواب

میں کبھی فن کار کے سینے میں تھا محوِ خروش
جس طرح افکار تیرے دل میں ہیں طوفاں بدوش
عالمِ افکار کو کاغذ پہ لے آتا ہے تو
مجھ کو اِس عالم میں لے آیا مرا ذوقِ نمو
جب دلِ فن کار میں میری تڑپ بڑھنے لگی
میرے ارمانوں کی ندّی زور سے چڑھنے لگی

تیشۂ فن کار نے سنگِ گراں کا رُخ کیا
فکرِ آدم نے حیاتِ جاوداں کا رُخ کیا
ضربِ کاری تیشۂ فن کار کی کہسار پر
چھا گئیں گویا بہاریں دامنِ گُلزار پر
دیکھ مجھ کو سینۂ کہسار کا عالم نہ پُوچھ
اے مسافر! ضربتِ فن کار کا عالم نہ پُوچھ

"اجنتا کے غاروں میں" کا آخری حصّہ

اے نئے دَور کے نئے فن کار　　اِس قدر حیرتی نہ ہو زنہار
یہ جو دیکھا ہے تُو نے ایک مقام　　ایک تصویرِ گردشِ ایّام
نقشِ پا کاروانِ زیست کا ہے　　ایک ذرّہ جہانِ زیست کا ہے
اِس زمین و زماں کے سینے میں　　وقت کے بے اماں دفینے میں

ایسے ہیروں کا کچھ شمار نہیں
کچھ مگر ان کا اعتبار نہیں

کارواں وقت کا جو چلتا ہے
عرش و کُرسی کا دل دہلتا ہے

وہ اجنتا ہو، یا ایلورا ہو
یا تماشائے گولکنڈا ہو

قُطب صاحب کا وہ منارا ہو
لال قلعے کا یا نظارا ہو

گورِ بی بی ہو، یا ہو تاج محل
ٹیکسلا کے وہ یا ہوں راج محل

وقت کے کارواں کے رستے پر
میل و فرسنگ کے ہیں یہ پتّھر

اِن سے گزرا ہے کاروانِ حیات
یہ ہیں سب جُزوِ داستانِ حیات

منزلیں ارتقا کی ہیں یہ تمام
عقل کے آخری نہیں یہ مقام

ذہنِ انساں کا آفتابِ عظیم
جس سے ہے آدمی عقیل و فہیم

یہ اُسی کی ضیا کے دھارے ہیں
فلکِ ارتقا کے تارے ہیں

اِن کے جلوؤں میں گھر کے رہ جانا
ان کے طوفاں کی رَو میں بہہ جانا

زیب دیتا نہیں تجھے زنہار
اے نئے دَور کے نئے فن کار

ان سے لے کر اُبھار جذبے کا　　تُو بڑھائے نکھار جذبے کا

نغمۂ تازہ تر سُنا اپنا

سُوئے فردا قدم بڑھا اپنا

یہ ہے ماضی، تو یہ ہے مستقبل　　اِس جھمیلے سے کچھ نہیں حاصل

زندگی ایک، کائنات ہی ایک　　یہ تماشائے شش جہات ہی ایک

یہ نیا اور یہ پُرانا ہے　　لغو اور بیہُودہ فسانا ہے

شعر ہی کی مثال دیکھ ذرا　　اپنی دنیا کا حال دیکھ ذرا

شعر کے بے خزاں گلستاں میں　　اس حسیں عالمِ بہاراں میں

پھول حالی اگر نہ چُن سکتا　　شعرِ اقبال کون سُن سکتا

کون بزمِ وطن کو گرماتا　　نغمۂ جوشؔ کون سُن پاتا

پھر نئی زندگی کہاں ہوتی؟

آج کی شاعری کہاں ہوتی؟

اے اجنتا کو دیکھنے والے
یہ بھی تصویر آج سے ہو کر
اس میں پھر اک ضیائے نَو ہوگی
رنگ یہ جس گھڑی جمائے گی
یہ کبھی شعر کو دمک دے گی
یہ بھی لیکن بتاؤں کیا ہوگا
زندگی اس سے روشنی لے کر

کہنہ دنیا کو دیکھنے والے
جگمگائے گی کل کے پردے پر
اک عجب تابناک لَو ہوگی
زیست کی بزم جگمگائے گی
کبھی تاریخ کو چمک دے گی
یہ بھی اک سنگِ میل سا ہوگا
یہ تسلسل رہے گی گرمِ سفر

رُک سکے گا نہ کاروانِ حیات
کہ ہے ذوقِ سفر نشانِ حیات

اے کشورِ ہندوستاں

اے کشورِ ہندوستاں اے خطۂ جنّت نشاں
اے سجدہ گاہِ قدسیاں
اے منبعِ انوارِ حق اے کعبۂ رُوحانیاں
اے قبلۂ عرفانیاں اُونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

تو ہے وقارِ علم و فن　　تو اعتبارِ علم و فن
سرمایہ دارِ علم و فن
گلزارِ ہست و بود میں　　تو ہے بہارِ علم و فن
اے علم و فن کے پاسباں　　اونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

پایا ہے اے عالی گہر　　تو نے ریاضت کا ثمر
تجھ پر ہے عالم کی نظر
فسطائیت کی رات میں　　جمہوریت کے عرش پر
چمکا ہے تو مہتاب ساں　　اونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

اے منبعِ مہر و وفا　　اے مخزنِ صدق و صفا

اے مصدرِ نور و ضیاء

اس تیرہ باطن دَور میں　　دہرائے جا دہرائے جا

مہر و وفا کی داستاں　　اونچا رہے تیرا نشاں

اے کشورِ ہندوستاں

اے مرجعِ ہر عزّو شاں　　عالم ترا افسانہ خواں

دنیا تری رطبُ اللّساں

افزوں ہو تیرا مرتبہ　　اے مرتبوں کے رازداں

شائستۂ اوجِ بیاں　　اونچا رہے تیرا نشاں

اے کشورِ ہندوستاں

ہیں تیرے نظّارے حسیں　　روشن دل و روشن جبیں

ذرّے ہیں تیرے عنبریں

تیری ہوائیں دل کشا　　تیری فضائیں دل نشیں

اے دل کشی کی داستاں　　اونچا رہے تیرا نشاں

اے کشورِ ہندوستاں

صبحِ بنارس کے بیاں　　شامِ اودھ کی داستاں

اے نُور پاروں کے جہاں

دنیا کی تاریکی میں ہے　　تو روشنی کا کارواں

اے منزلِ نُورانیاں　　اونچا رہے تیرا نشاں

اے کشورِ ہندوستاں

بنگال کی رعنائیاں   پنجاب کی زیبائیاں
ہیں تیرے دامن میں رواں
افشاں جبیں پر ہے تری   کشمیر کا باغِ جناں
رعنائیوں کی داستاں   اونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

بنگلور کی ہے سرزمیں   یا خِطّۂ خُلدِ بریں
ذرّے جہاں کے دل نشیں
پانی شرابی ہے جہاں   مٹّی جہاں ہے عنبریں
اے رنگ و نکہت کے جہاں   اونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

تیرے پہاڑوں میں نہاں　　دولت کے انبارِ گراں

اے خطۂ دولت رساں

تو قسمتِ بیدار ہے　　تو ہے نشاطِ جاوداں

تو ہے بہارِ بے خزاں　　اونچا رہے تیرا نشاں

اے کشورِ ہندوستاں

اے خطۂ گنگ و جمن　　اے عالمِ شعر و سخن

کیا شے ہے تیرا بانکپن

تو فلسفے کا دیس ہے　　تو شاعری کا ہے وطن

شعر و ادب کے آسماں　　اونچا رہے تیرا نشاں

اے کشورِ ہندوستاں

اے عالمِ دنیا و دیں   اے سرِّ قُفلِ آہنیں

اے چہرۂ حُسنِ یقیں

ہے تیری خاکِ پاک کا   ہر ذرّہ حکمت آفریں

سرِّ حقیقت کے جہاں   اونچا رہے تیرا نشاں

اے کشورِ ہندوستاں

ویدِ مقدّس کی زمیں   تقدیسِ عالم کی امیں

روشن دل و تاباں جبیں

برسے ترے ماحول پر   تُلسی کے نغماتِ حسیں

تقدیس کے اے رازداں   اونچا رہے تیرا نشاں

اے کشورِ ہندوستاں

تو کرشن کا گہوارہ ہے   تقدیس کا شہ پارہ ہے
تنویر کا نظّارہ ہے
تو آسمانِ قدس کا   روشن تریں سیّارہ ہے
تقدیس کے اے آسماں   اونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

گوتم کے اے آرامِ جاں   نانک کی بانی کے جہاں
فکر و نظر کے آستاں
اجمیر کی درگاہ سے   تیری زمیں ہے آسماں
ذرّے ہیں تیرے کہکشاں   اونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

صابرؒ یہیں عنبر چکاں کاکیؒ یہیں گوہر فشاں

جن سے زمیں ہے آسماں

گورِ نظام الدینؒ کے ہیں ذرّے حریفِ کہکشاں

رُوحانیت کے رازداں اونچا رہے تیرا نشاں

اے کشورِ ہندوستاں

اے سرزمینِ علم وفن فخرِ جہاں فخرِ زمن

اے میر و غالب کے وطن

مہکا ترے ماحول میں رنگیں تخیّل کا چمن

رنگیں تخیّل کے جہاں اونچا رہے تیرا نشاں

اے کشورِ ہندوستاں

اے خطۂ روشن جبیں		حالی ترے گھر کا مکیں
مہماں ترا ابنِ یمیں
تو بھارتی کا ہے وطن		تو ہے سرت کی سرزمیں
اے سرزمینِ گل فشاں		اونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

ایران سے آیا یہاں		علم و ہنر کا کارواں
شعر و سخن کا رازداں
چمکا گیا تیری فضا		دمکا گیا تیرا جہاں
اے اہلِ دل کے آستاں		اونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

وہ عرفیٔ شیریں زباں   وہ فیضیٔ جادو بیاں

وہ مشہدیٔ نکتہ داں

سرمد، کلیم و آملی   سب شاعرانِ دُر فشاں

تیرے ہیں گنجِ شائیگاں   اونچا رہے تیرا نشاں

اے کشورِ ہندوستاں

اللہ رے تیری آستیں   ہیرے کہیں موتی کہیں

ہر گام پر لاکھوں نگیں

اے گولکنڈے کے جہاں   اے لال قلعے کی زمیں

اے دولتوں کے آسماں   اونچا رہے تیرا نشاں

اے کشورِ ہندوستاں

رنگِ اجنتا تجھ میں ہے حُسنِ ایلورا تجھ میں ہے

شانِ مدورا تجھ میں ہے

رامیشورم کی سرزمیں سانچی کی دنیا تجھ میں ہے

فن و ہُنر کے آسماں اونچا رہے تیرا نشاں

اے کشورِ ہندوستاں

جنّت کی اک تصویر ہے یا تاج کی تعمیر ہے

اک موجۂ تنویر ہے

کس بادشاہِ فکر کے خوابوں کی یہ تعبیر ہے

حُسنِ تخیّل کے جہاں اونچا رہے تیرا نشاں

اے کشورِ ہندوستاں

بابر کی شوکت کے نشاں　　حیدر کی سطوت کے نشاں

ٹیپو کی صولت کے نشاں

ملتے ہیں تیری خاک پر　　اکبر کی عظمت کے نشاں

اے عظمتوں کی داستاں　　اونچا رہے تیرا نشاں

اے کشورِ ہندوستاں

تو اہلِ دل، اہلِ بصر　　تو ناقدِ ذوقِ نظر

تو نکتہ بیں، تو دیدہ ور

تو ہے اہنسا کا امیں　　تو امن کا پیغامبر

اے حاملِ امن واماں　　اونچا رہے تیرا نشاں

اے کشورِ ہندوستاں

ٹیگور تیرا ہم زباں اقبال تیرا رازداں
قاضی ہے تیرا نغمہ خواں
اور بلبلِ رنگیں نوا آزاد تیرا ترجماں
اے شعر و نغمہ کے جہاں اونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

جو دور بھی آتا رہے تجھ سے ضیا پاتا رہے
تو اُس کو چمکاتا رہے
تو دُور بھی نزدیک بھی انوار برساتا رہے
انوار کے اے رازداں اونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

ایسا ترا اقبال ہو جورو جفا پامال ہو
سارا جہاں خوش حال ہو
اور پھر ترا روئے حسیں مارے خوشی کے لال ہو
اے خطّۂ راحت رساں اونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

ماضی ترا اے خوش گہر مہتاب سے تابندہ تر
اُٹھ اور جما اپنی نظر
اس اُلجھنوں کے دَور میں آئینۂ اِمروز پر
اے باعثِ آرامِ جاں اونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں!

بازگشت

طویل نظم "وطن میں اجنبی" کا ایک جُزو

پاکستان کے قرب و جوار میں پہنچ کر

اے مری ارضِ وطن! اے ارضِ پاک!
قلبِ عالم کی ضمیرِ تابناک!
اے وطن! اے خِطّۂ اربابِ ذوق
زندگی تیری سراپا جذب و شوق
حق پرستوں کے فقیروں کے وطن!
دہر کے روشن ضمیروں کے وطن!

نور کا جوہر ہے تیری خاک میں
عشق رقصاں ہے تری ادراک میں

تیرا ہر ذرّہ ہے تاروں سے بلند
خاک تیری مثلِ اکسیر ارجمند

اے وطن! اے ہیر رانجھے کی زمیں
سوہنی و مہنیوال کی بزمِ حسیں

اے محبّت کے پرستاروں کے دیس
اے شجاعوں کے، جگرداروں کے دیس

دائمی ہے آج تیری آب وتاب
تجھ پہ چمکے ہیں ہزاروں آفتاب

فکرِ وارث شاہ کا مسکن ہے تو
قلبِ حق آگاہ کا مسکن ہے تو

تو ہے نانک کی نظر سے فیض یاب

قُطبِ[1] دَوراں کے اثر سے فیض یاب

رام تیرتھ تجھ پہ نُور افشاں رہا

ابرِ مستی تھا سرور افشاں رہا

اے وطن! تو ہے وہ پاکیزہ جہاں

جس میں گونجا نعرۂ خوش حال خاں

اور وہ محرابِ گُل ، مردِ سلیم

جس کا دل تھا بے نیازِ یاس و بیم

شاعرِ رنگیں مزاج و پختہ کار

جاودانی زندگی کا رازدار

[1] اعلیٰ حضرت سیّد شیخ مخدوم علی ہجویری

وہ بہا در، وہ فقیرِ بے گلیم
تھا ترے ہی طورِ معنی کا کلیم

اے وطن! اے مہرو اُلفت کے چمن
میری دیرینہ محبّت کے چمن!

تو امانت دارِ ماضی ہے مِرا
محرمِ اسرارِ ماضی ہے مِرا

میں کہ تیرا ہی گُلِ صد پارہ ہوں
نکہتِ گُل کی طرح آوارہ ہوں

دشتِ غربت میں وطن سے دُور ہوں
پھُول ہوں اپنے چمن سے دُور ہوں

اے وفا رسم و نشاط آئیں چمن
اے مرے بچھڑے ہوئے رنگیں چمن

آج پھر تیری طرف ہوں تیز گام
دیکھ اک پابند کا ذوقِ خرام
دشتِ غربت چھوڑ کر آیا ہوں میں
صورتِ بادِ سحر آیا ہوں میں
تو مجھے میری امانت سونپ دے
پھر مجھے اپنی محبّت سونپ دے

واہگہ کی سرحد پر

"عشقِ شور انگیز را ہر جادہ در کوئے تو بُرد
بر تلاشِ خود چہ می نازد کہ رہ سوئے تو بُرد"
ہیں آج رقص میں عہدِ طرب کے میخانے
چھلک رہے ہیں نگاہوں سے دل کے پیمانے

جہانِ شوق کا ہر ذرّہ پیچ و تاب میں ہے
یہ کس نے رُوح کو آواز دی خدا جانے

سُنا گئے مری پلکوں پہ آ کے اشکِ رواں
ہزار تلخ حقائق، ہزار افسانے

وطن میں ایک غریب الدّیار آتا ہے
خدا کرے کہ اسے یاں کوئی نہ پہچانے

دیارِ غیر میں اپنوں کی جُستجو کیسی؟
عزیز و خویش و اقارب تمام بیگانے

"غریبِ شہر سخنہائے گفتنی دارد
بیا ور ید گر ایں جا بود زباں دانے"

اشعار

لاہور میں کہے گئے

تری بزمِ طرب میں سوزِ پنہاں لے کے آیا ہوں
چمن میں یادِ ایّامِ بہاراں لے کے آیا ہوں

تری محفل سے جو ارمان و حسرت لے کے نکلا تھا
وہ حسرت لے کے آیا ہوں، وہ ارماں لے کے آیا ہوں

تمہارے واسطے اے دوستو! میں اور کیا لاتا؟
وطن کی صبح تک شامِ غریباں لے کے آیا ہوں

میں اپنے گھر میں آیا ہوں مگر انداز تو دیکھو
کہ اپنے آپ کو مانندِ مہماں لے کے آیا ہوں

نگاہوں میں اندھیرے کے سوا کچھ بھی نہیں لیکن
تفکّر بیں جمالِ صبحِ تاباں لے کے آیا ہوں

سوا اس کے اب اے آزادؔ میرا بس کہاں تک ہے
اندھیری رات میں ذکرِ چراغاں لے کے آیا ہوں

دہلی کی جامع مسجد

اے جذبِ طہارت کی امیں مسجدِ جامع
روشن دل و تابندہ جبیں مسجدِ جامع

اے جلوۂ انوارِ یقیں مسجدِ جامع
اے خاتمِ دہلی کی نگیں مسجدِ جامع

ہے آج بھی تسکینِ نظر تیرا نظارا
تو آج بھی ہے روح کی دنیا کا سہارا

دامن میں سنبھالے ہوئے صدیوں کی امانت
پاکیزگیٔ قلب و نظر روح کی عفت

شاہی میں فقیری کی درخشندہ روایت
احساس کا اک جذبۂ سرشارِ حقیقت

اِس دَور میں تو منبعِ انوار ہے اب بھی
تاریکیٔ عالم میں ضیا بار ہے اب بھی

اک نقشِ دلآویز ہے تو خونِ جگر کا
جلوہ ترا نظارہ ہے انوارِ سحر کا
تو فن کی ہی تصویر، نمونہ ہی ہُنر کا
شہپارۂ جاوید ہی تو ذوقِ نظر کا
رقصاں تری ہی دنیا میں ہیں آیاتِ تجلّی
اللہ رے تیرے یہ مقاماتِ تجلّی

تو فقر کی تصویر ہی وہ زیرِ سماوات
ہیں جس سے عیاں سینۂ آدم کے کمالات
دنیا کو دکھا آج کوئی حُسنِ کرامات
تو چشمۂ حیواں ہی جہاں عالمِ ظلمات
تو آج ہے اک سوزِ محبّت کا نمونہ
اے آدمِ خاکی کی کرامت کا نمونہ

ہر خشت میں آباد ہی افکار کی دنیا
ہر سنگ میں ہی جذبۂ بیدار کی دنیا
ہر نقش میں خوابیدہ ہی اسرار کی دنیا
تعمیر ہی تیری کہ ہے انوار کی دنیا
کیا تجھ سے کہوں کیا ہی تری اوجِ مقامی
تو عالمِ فانی میں ہی اک نقشِ دوامی

اے معبدِ اربابِ یقیں حاصلِ ادراک　　اے منزلِ انوارِ کہن جلوہ گہِ پاک
ہستیٔ دوامی سے عبارت ہے تری خاک　　کیا گردشِ ایّام ہے، کیا گردشِ افلاک

دنیا ہے تری نور فزا روزِ ابد تک
ہے ساز ترا نغمہ سرا روزِ ابد تک

اِس دور میں کیا تجھ سے کروں ذکرِ زمانہ　　اس نے تو بنایا ہے حقیقت کو فسانہ
ہر تیر ہوا بے خبرِ رنگِ نشانہ　　ہر نالۂ ماتم نظر آتا ہے ترانہ

ممکن ہو تو اس دَور کے انداز بدل دے
انساں کا ذرا ذوقِ تگ و تاز بدل دے

چناب کے کنارے

سفر میں شام ہوئی ہے کنارِ رودِ چناب
تڑپ رہا ہوں تو سنبھل کر تڑپ دلِ بیتاب

دیارِ عشق ہے یہ، سرزمینِ درد ہے یہ
ہوا نہیں ہے فضاؤں کی آہِ سرد ہے یہ

یہاں گداز کا شعلہ بھڑک رہا ہے ابھی
ہر ایک ذرّے کا سینہ دھڑک رہا ہے ابھی

جو سطحِ آبِ رواں پر نگاہ جاتی ہے
ہر ایک موج کوئی داستاں سُناتی ہے

وہ ایک موج نے طوفاں کا رُوپ دھار لیا
جنوں نے اپنا سفینہ یہیں اُتار لیا

چلا ہے موج سے لڑتا ہوا سفینۂ عشق
سنبھل کے موجِ رواں آ ہی سوزِ سینۂ عشق

ترا تموّجِ فانی نہ چل سکے گا یہاں
کوئی اصولِ زمانی نہ چل سکے گا یہاں

اُبھر نہ کف بہ دہن موج اِس طرح تن کر
چلی ہی روحِ محبّت سفینہ راں بن کر

ابھی سفینہ یہ دریا کے پار اُترے گا
بھنور تو اپنے دکھائے ہزار اُترے گا

ترے خروش کو دردِ نہاں عطا کر کے
رہے گا زندگی جاوداں عطا کر کے

وہ اپنے ہاتھ میں کچّا گھڑا اُٹھائے ہوئے
کسی کے شوقِ نظارہ سے دل لگائے ہوئے

اُتر گئی کہیں طوفاں میں روحِ دردو گداز
بسی بھنور ہی میں دنیائے شانِ ناز و نیاز

اُدھر شباب پہ دریا، اِدھر شباب پہ عشق
ہی آج ذوقِ وفا تیرے احتساب پہ عشق

بھنور کے سامنے کچّے گھڑے کی تاب ہی کیا
مگر شکست جو مانے تو وہ شباب ہی کیا

گھڑے کی خاک کہاں اور بھنور کا جوش کہاں
بشر کی تاب کہاں موج کا خروش کہاں

معاً بھنور کی تہوں سے صدائے درد آئی
وفا نے آج ہمیشہ کی زندگی پائی

گداز دے گئی ایسا کچھ آگ پانی کو
نئی حیات ملی موج کی روانی کو

روانِ چناب پہ اب بھی کئی سفینے ہیں ہر ایک موج کے دل میں نہاں خزینے ہیں
ہر ایک موج پہ اب بھی رواں ہیں کچے گھڑے نیازِ عشق تری آستاں میں کچے گھڑے
دلِ صبور یہاں آنسوؤں کا نذرانہ کہ اس فضا میں ہے آباد بزمِ جانانہ
نگاہِ شوق! مناسب ہے احترام یہاں چھلک رہا ہے مئے عاشقی کا جام یہاں
ادب تخیّلِ شاعر وفا کی بزم ہے یہ حیا کی بزم ہے صدق و صفا کی بزم ہے یہ

الگ زمانہ سے دنیائے آب و خاک ہے یہ
فروغِ دل کی تجلّی سے تابناک ہے یہ

راولپنڈی سے دہلی آتے ہوئے

۵ نومبر ۱۹۵۳ء

شعرا کے انتخابی سلسلے کا

پہلا سیٹ

اختر شیرانی	فیض	مجاز	مخدوم
جذبی	احمد ندیم قاسمی	آزاد	کیفی
عرشؔ	وجد	مجروح	اثر

ہر انتخاب کی قیمت بارہ آنے ہے

انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ

جگن ناتھ آزاد دسمبر ۱۹۱۸ء میں بمقام عیسیٰ خیل (پنجاب) پیدا ہوئے۔ آپ کے والد جناب تلوک چند محروم اردو کے نامور شاعر ہیں۔ آزاد نے تعلیم و تربیت کی ابتدائی منزلیں انہیں کی نگرانی میں طے کیں۔ لاہور میں مولانا تاجور نجیب آبادی اور ڈاکٹر سید محمد عبداللہ سے اکتساب فیض کیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے فارسی میں ایم۔ اے کیا۔ تقسیم کے بعد دہلی میں چند سال "آج کل" کے مدیر معاون رہے۔ جون ۱۹۵۵ء میں وزارتِ اطلاعات و نشریات میں اردو کے انفارمیشن آفیسر مقرر ہوئے اور ابھی تک اسی عہدے پر فائز ہیں۔

شاعری آزاد کو ورثے میں ملی ہے۔ لیکن انھوں نے اس پر اکتفا نہیں کی، بلکہ اپنی راہ الگ بنائی ہے۔ جدید دور کے نظم گو شاعروں میں آزاد اپنے شعور کی پختگی اور لب و لہجہ کی شگفتگی کے لحاظ سے ممتاز ہیں۔

آپ ہند و پاک کے مقبول و معروف شاعر ہیں اور دونوں ملکوں کے بڑے بڑے مشاعروں میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔

تصانیف:

بیکراں (۱۹۴۹ء، ۱۹۵۴ء، ۱۹۵۶ء)

ستاروں سے ذروں تک (۱۹۵۱ء، ۱۹۵۳ء)

وطن میں اجنبی (طویل نظم) گجراتی رسم الخط میں شائع ہوئی ہے (۱۹۵۶ء) اردو میں زیرِ طبع ہے

اردو (طویل نظم) (۱۹۵۱ء، ۱۹۵۲ء)

جنوبی ہند میں دو ہفتے (رپورتاژ) (۱۹۵۱ء)

ان کے علاوہ کلام کا چوتھا مجموعہ، مقالات اور ریڈیائی تقریروں کا مجموعہ "نشانِ منزل" اور دو سفر نامے "مشرقی پاکستان میں" ... [illegible]